الكتابة إليهم بمثل بذلك[1]	علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔

حنفیہ کے متعلق معلوم ہوچکا ہے کہ وہ غیر مسلم کے لئے قرآن کی تعلیم مطلقاً جائز سمجھتے ہیں، دُرّ مختار میں ہے:۔

ويمنع النصراني من مسه، وجوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه عسى أن يهتدي[2]	نصرانی کو مسّ قرآن سے روکا جائیگا، اور امام محمدؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں جب کہ وہ غسل کرلے اور اس کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے ہدایت پاجائے۔

علمائے ہند میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے غیر مسلم کو صرف ترجمۂ قرآن دینا جائز قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ مسلمانوں کے حق میں قرآن مجید کا حکم رکھتا ہے، اور غیر مسلموں کو تبلیغ کے لئے دینا جائز ہے[3]

الحاصل غیر مسلم کے ہاتھ میں قرآن کریم دینے اور اس کو قرآن کریم کی تعلیم دینے کے بارے میں (۱) حضرت عمرؓ کا اسلام لانے سے پہلے غسل یا وضو کے بعد قرآن کا چھونا اور پڑھنا (۲) مکتوب نبویؐ بنام ہرقل (۳) حضرت قتادہؒ کا بیان، (۴) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ اور حضرت علقمہ بن قیسؒ کا نصرانی سے قرآن لکھوانا (۵) امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا قول (۶) احناف کے نزدیک غیر مسلم کی ہدایت کی اُمید پر اس کو قرآن کی تعلیم دینے کا جواز، (۷) امام ابن حزم ظاہری

---

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۴ [2] در المختار ج ۱ ص ۱۸۳

[3] کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۲۵

اندلسیؒ کے نزدیک علی الاطلاق سب کے لئے مس قرآن کا جواز، ان سب تصریحات کی روشنی میں ایسے غیر مسلموں کے قرآن چھونے اور پڑھنے پر سنجیدگی سے غور کیا جاسکتا ہے جو واقعی ہدایت کے طالب ہیں، اور اس کا اپنے طور پر احترام کرتے ہیں، ایک بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور علقمہ بن قیس نے نصرانی سے قرآن لکھوایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد سربراہان ملک کے پاس دعوتی مکاتیب روانہ فرمائے مگر نصرانی سربراہ ہرقل کے مکتوب میں قرآنی آیات تحریر فرمائیں، امام محمد نے نصرانی کو غسل کے بعد قرآن چھونے کی اجازت دی ہے، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے اہل مذاہب کے مقابلہ میں عیسائی اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ قریب تھے، اور قرآن کا کسی حد تک احترام کرتے تھے اس لئے اہل علم کو ان پر اعتماد تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ قتادہؒ، عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰؓ، علقمہ بن قیسؒ اور امام محمدؒ علمائے عراق میں سے ہیں جن کے یہاں نومسلموں اور غیر مسلموں کے اختلاط و اجتماع کی وجہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے تھے، اور آئمہ دین ان کو کتاب و سنّت کی روشنی میں اپنی فقہی بصیرت سے حل کرتے تھے، اس دور میں عراق کے مرکزی شہر کوفہ، بصرہ وغیرہ عجمی و عربی رجال و افکار کا گہوارہ تھے، اور ان میں مذہبی بحث و مناظرہ کی مجلسیں برپا ہا کرتی تھیں، اسی وجہ سے علماء عراق جدید مسائل کے بارے میں سند اور اُسوہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں توسّع پایا جاتا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ "برہان" دہلی)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حافظ محمد سلیمان (ایم اے)

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "مجھے ان لوگوں سے پیار ہے جن کی گردن پر چھری چل رہی ہے۔" حضرت شاہ صاحب موصوف کا یہ اعلان کردہ رویّہ اتباعِ سنت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کمزور طبقات کے لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی فکرمندی (Concern) سیرت پاک کا اہم ترین پہلو ہے۔ جس طرح ہمارا خدا رب العالمین تو لاریب ہے۔ لیکن (جیسا کہ آپؐ نے طائف سے واپسی پر ایک نہایت ہی دل گداز دعا میں ارشاد فرمایا) ربّ المستضعفین بالخصوص ہے۔ ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تو بے شک ہیں اور آپؐ کی رحمت اس پوری کائنات میں سب کے لئے ہے۔ لیکن حفیظ تائب کے بقول آپؐ بالخصوص ضعیفوں کی قوت اور غریبوں کی ثروت ہیں۔ عہدِ حاضر میں خاص کر سنّتِ نبوئی کے اہم ترین سبق ـــــ غمِ انسانیت۔ پر زور دینے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت اس لئے بھی ہے کہ افتادہ و درماندہ طبقات کے دلوں میں بہتر زندگی کے لئے امیدوں کا ایک طوفان بداماں ہلچل پیدا ہو چکی ہے اور چونکہ ہمارے نام نہاد اسلامی معاشروں میں مصائبِ انسانی سے لاتعلقی اور سنگدلانہ حد تک بےحسی کا چلن ہے۔ کمزوروں کی مجبوریوں کا ظالمانہ استحصال عام ہے۔ بھرے کو بھرا جاتا ہے اور مرے کو اور مارا جاتا ہے۔ اس لئے کمزور طبقات (یا قرآنی اصطلاح میں مستضعفین) کسی بھی طالع آزما کی جھولی میں پکے ہوئے پھل کی طرح گرنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

اس حقیقت پر کہ آپؐ بے سہاروں کا سہارا اور بے آسراؤں کا آسرا ہیں، سب سے پہلی شہادت آپؐ کے بزرگ چچا، مربی اور سرپرست حضرت ابوطالب کی ہے۔ وہ

ایک نعت میں فرماتے ہیں :

وہ گورے مکھڑے والا
جس کے روئے زیبا کے
واسطے سے ابرِ رحمت کی
دعائیں مانگی جاتی ہیں
وہ ــــ یتیموں کا سہارا
وہ ــــ بیواؤں کا سرپرست

(ترجمہ جناب نعیم صدّیقی صاحب مصنف محسنِ انسانیت)

دوسری شہادت آپؐ کی اوّلین رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰے عنہا کی ہے۔ وہ آپؐ کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں۔ "میں دیکھتی ہوں آپؐ اقربا پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، رانڈوں، یتیموں اور بیکسوں کی دست گیری کرتے، مہمان نوازی فرماتے اور ــــ مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔" (رحمۃ للعالمین جلد اوّل مصنفہ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری)

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰے عنہا کی محترم شخصیتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ دیگر تمام شخصیتوں سے زیادہ آپؐ کا واسطہ رہا۔ ایک شخصیت نے کم و بیش بیالیس سال تک آپؐ کی سرپرستی، نگہبانی اور حفاظت فرمائی اور دوسری شخصیت نے پچیس برس تک آپؐ کے ساتھ مثالی رفاقت نبھائی۔ ان دونوں ہستیوں کے ساتھ آپؐ کا تعلق کتنا گہرا تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ سنہ نبوی کو جس میں حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰے عنہا نے تین دن کے وقفہ کے ساتھ یکے بعد دیگرے وفات پائی۔ سیرت کی کتابوں میں عام الحزن (غم کا سال) کا نام دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے جب یہ دونوں بزرگ شخصیتیں ایک ہی نکتہ پر زور دیتی ہوں کہ آپؐ بے کسوں کے دستگیر اور بے نواؤں کا آسرا ہیں تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ سیرتِ پاک کا اہم ترین پہلو غمِ انسانیت ہے۔ اور آپ کی سنّتِ مبارکہ اور اسوۂ حسنہ کا سب سے ضروری سبق گرتے ہوؤں کو تھامنا اور

کمزوروں کو سہارا دینا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم واقعاتی شہادت حِلفُ الفُضُول میں آپؐ کی فعّال شرکت ہے۔ اس وقت عمرِ مبارک بیس برس سے بھی کم تھی۔ مکّہ کے چند درد مند اور سلگتے ہوئے دل رکھنے والے اصحاب نے آپؐ کے توجہ دلانے پر ظلم کے سدّباب، بے امنی کے خاتمہ اور غریبوں کی امداد کے لئے ایک انجمن بنائی۔ حلف الفضول اس انجمن کا منشور تھا۔ اس حلف کے چند الفاظ یہ تھے:

"اللہ کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ (یا مٹھی) بن جائیں گے اور یہ ہاتھ اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا جب تک کہ سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہیگا۔"

آپؐ نے بعد میں ایک مرتبہ فرمایا:

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف لینے میں شریک تھا اور سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا اور اگر اب زمانۂ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑ کر جاؤں۔ (پیغمبرِ اعظمؐ و آخر مصنفہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر)

حلف الفضول میں آپؐ کی شرکت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں:

"حلف الفضول میں شرکت آپؐ کا اوّلین سنگِ میل ہے .... یہ آپؐ کے دلِ درد آشنا کی آواز تھی۔"

عنفوانِ شباب میں حلف الفضول میں شرکت فرما کر مستضعفین کے لئے فکرمندی کے جس جذبہ کا اظہار آپؐ نے فرمایا۔ وہ جذبہ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحہ تک آپؐ کی جدّوجہد میں ایک پورے تسلسل کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ عرب کے اس وقت کے معاشرہ میں عورتوں اور غلاموں کی حالت بالخصوص قابلِ رحم تھی ——— حجّۃُ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے جو وصیتیں فرمائیں ان میں خاص طور پر عورتوں سے حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی اور وصال مبارک سے صرف چند لمحے پہلے نماز کی پابندی کے علاوہ غلاموں کا خیال رکھنے کی وصیت بھی فرمائی۔ آپ کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا آخری فرمان یہی تھا ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی ارشاد (اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُم) کو حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کئی بار دہراتے رہے (رحمتہ للعالمین جلد اوّل مصنفہ قاضی محمد سلیمان صاحب منصورپوری) فاضل مؤرخ کا بیان ہے کہ پھر نزع کی حالت طاری ہوگئی ۔

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آخری وصیّت جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے فی الحقیقت اسلام کا خلاصہ اور روح ہے ۔ جو عبدیت واخوّت کے تصوّرات کا حسین امتزاج ہے ۔ ان تصوّرات کا عملی اظہار کیفِ حضوری اور غمِ انسانیت کی جذباتی کیفیات میں ہوتا ہے ۔ حضوری کی کیفیت کے حصول کا بہترین ذریعہ نماز ہے ۔ اسے حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بندے اور خدا کی سرگوشی قرار دیا ہے ۔ آپؐ کو نماز سب سے زیادہ مرغوب تھی ۔ اسے آپؐ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مومن کا معراج بھی فرمایا ہے ۔ یہ بھی فرمایا کہ بندہ اپنے اللہ سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے ۔ حضرت بلالؓ کو آپؐ فرمایا کرتے تھے ۔ بلالؓ! (نماز کے لئے بلاوا ۔ اذان ۔ دے کر) ہمیں راحت پہنچا" ——— (اَرِحْنَا یا بلالؓ) حضرت مولانا ادریس صاحب انصاری نے رسالہ "میری نماز" میں نقل فرمایا ہے ۔ " حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ گھر میں تشریف لاتے اور گھر والوں سے بے تکلفی سے باتیں فرماتے رہتے لیکن جب اذان کی آواز آتی اور نماز کا وقت ہوتا تو ہمہ تن نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے اور ہم سے ایسے بے تعلق ہو جاتے جیسے کہ پہلے سے ہماری اور آپؐ کی کوئی شناسائی ہی نہیں ۔ گویا کہ ہم اور آپؐ بالکل ہی اجنبی ہیں اور آپؐ اور ہم میں کوئی پہچان ہی نہیں ۔"

نماز کے ساتھ اس رغبت اور اس میں اتنی محویّت کے باوجود یہ بھی روایت ہے کہ جب آپؐ نماز پڑھا رہے ہوتے اور مقتدی صحابیات رضی اللہ تعالےٰ عنہن میں سے کسی کے بچے کے رونے کی آواز سنتے تو (بچے کی تکلیف اور اس کی والدہ کی پریشانی کو مدِنظر رکھتے ہوئے) نماز مختصر فرما دیتے ۔ (روحِ اسلام مصنفہ سیّد امیر علی)

حضوری کی اعلیٰ ترین کیفیت میں دکھی انسانیت کا یہ لحاظ! سبحان اللہ! یہ وہ مثالی خدارسیدگی ہے جس کی تعلیم اُس نے دی ہے جو تعلق باللہ کے حوالہ سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھا۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسی خدارسیدگی، کوئی ایسا تعلق باللہ اور حضوری کی کوئی ایسی کیفیت جس میں غم انسانیت کی گنجائش نہ ہو سنّتِ نبوی کی روشنی میں سراسر نامعتبر اور غیر مطلوب ہے۔ میر تقی میر نے شکایت کی تھی ؎

بندے کے دردِ دل کو کوئی نہیں پہنچتا،

ہر ایک بے حقیقت یاں ہے خدا رسیدہ

بہرحال ایسی "بے حقیقت خدارسیدگی" جس کا بندے کے دردِ دل سے کوئی تعلق نہ ہو اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شکستہ حال، بے سروسامان اور مصیبت زدہ انسانیت کے ساتھ احسان کو اسلام (بقول سیّد قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ) "اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اس بزرگ و برتر کی ذات اس سے کہیں بلند ہے۔" موصوف کے فرمانے کے مطابق اس تصوّر کی ایک اچھوتی تصویر کشی ایک حدیث قدسی میں یوں کی گئی:

"خداوندِ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا "اے ابنِ آدم! میں بیمار پڑا تو تو میری عیادت کو نہ آیا۔" ابنِ آدم جواب دے گا "پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا جب کہ تو سارے جہانوں کا آقا ہے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا "کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو تو اس کی عیادت کو نہ گیا۔ اگر تو اس کی عیادت کو گیا ہوتا تو مجھے اس کے پاس پاتا"۔ (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا کھلانے کو کہا تو تو نے مجھے کھانا بھی نہ کھلایا۔" وہ کہے گا "پروردگار! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا جب کہ تو خود ہی سارے جہانوں کا مالک ٹھہرا۔؟" اللہ تعالیٰ فرمائے گا "کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانے کو مانگا تو تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ اگر تو نے اسے کھانا کھلا دیا ہوتا تو اس (کھانے) کو میرے